تار کا پتہ "انجمن علی گڑھ"

رجسٹر نمبر اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۹	یکم مئی ۱۹۵۶ء	ایڈیٹر: آل احمد سرور	۱۹ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ	نمبر ۹

کل ہند اردو کانفرنس حیدرآباد

حیدرآباد اردو کا بہت بڑا مرکز رہا ہے۔ اور آج بھی ہے۔ یہاں شاخ بہت مفید کام کر رہی ہے اس کی تحریک پر ملک کے ممتاز ادیبوں کی طرف سے وہاں ۱۸، ۱۹، ۲۰ مئی کو ایک کل ہند کانفرنس ہو رہی ہے جس میں سنجیدگی سے اور تعمیری انداز میں اردو زبان کی بقا و ترقی کے ہر پہلو پر غور کیا جائے گا۔ صوبوں کی نئی تنظیم نے اردو والوں کے لئے نئے مسائل پیدا کر دئے ہیں۔ کمیشن نے بعض سفارشات کی ہیں جن پر عمل کرنے سے ہمارے لئے بہت مفید نتائج نکل سکتے ہیں۔ ہمیں محض جذباتی اعلانات کرنے کے بجائے ایسے راستے اختیار کرنے ہیں کہ اردو کی ترقی کو قومی ترقی کا ایک جز سمجھا جائے۔ ہمیں امید ہے کہ اس اجتماع میں لوگ کثرت سے شریک ہوں گے اور اس کی وجہ سے آئندہ کے کام کے مواقع پیدا ہوں گے۔ اس موقع پر لسانی اور ادبی مسائل پر علمی نقطہ نظر سے بحث بھی ہوگی اور جنوبی ہند میں اردو کی پوزیشن کا خاص طور سے جائزہ لیا جائے گا۔

ادبی فورم آل انڈیا ریڈیو

۲۹، ۳۰ اپریل ۱۹۵۶ء کو دہلی میں آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے جو ادبی فورم ہوا وہ ایک اچھے اور مفید رجحان کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں ہندوستان کی تمام اہم زبانوں کے نمائندے شریک تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کا افتتاح کرتے ہوئے اس بات پر خوشی ظاہر کی کہ ہندوستان کی تمام زبانوں کے نمائندے ایک دوسرے کے قریب آکر ملک کی بہترین کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں۔ انھوں نے خاص طور پر اپیل کی کہ کسی زبان یا لسانی اقلیت کو دبانے کے بجائے اسے پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کئے جائیں کیونکہ کوئی زبان دوسری زبان کو دبا کر ترقی نہیں کر سکتی، صرف اپنے بل بوتے پر ترقی کر سکتی ہے فورم میں ہم عصر ادب کے رجحانات کا جائزہ لیا گیا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ باوجود کثرت کے ہمارے ادب کے جلوہ صد رنگ میں کتنی وحدت ہے۔ نیز ریڈیو اور عوام کے موضوع پر مذاکرہ ہوا جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ عوام کی زندگی کا عکس ریڈیو کے پروگراموں میں نمایاں طور پر ہونا چاہئے اور ایسی زبان استعمال کرنی چاہئے جسے سب سمجھ سکیں ہمیں امید ہے کہ ریڈیو کے کرتا دھرتا۔ اس سلسلے میں اردو زبان کے عوامی عنصر کو قرار واقعی اہمیت دیں گے، نیز اپنے اعلانات میں بھی عام فہم زبان استعمال کریں گے۔

تہنیت نامہ

جو ۲۹ مارچ کو راجستھان اردو کنونشن کے افتتاح کے موقع پر راج پرمکھ
جے پور کی خدمت میں پیش کیا گیا

از منوّر حسین خاں زیب دہلوی

خلق سے کر رہا ہوں برسرِ عام — اشرف الخلق کی زباں میں کلام
ذکر ہے کچھ زبانِ گیتی کا — نطق کو ہو رہا ہے کچھ الہام
خانِ خانان خسروِ دہلی — دے رہے ہیں زباں کو اذنِ کلام
سوز دل میں ہے اور درد پہلو میں — سر میں سودا ہے وہ نہیں جو خام
مصحفی میر و جرأت و انشا — غالب و ذوق و داغ سب کا سلام
طعن ہے اور نہ یہ تعلّی ہے — حق نے اردو کو یہ دیا ہے مقام
وہ زباں جس کی اصل ہو اخلاص — جس میں ہے ہر زبان کا ادغام

قطعہ

جس پہ تہذیب ناز کرتی ہے — جو ہے اخلاص کے حرم میں امام
سب زبانیں کچھ اس طرح سے ملیں — نہ رہا امتیازِ خاص و عوام
ہوئی وہ شکل دل نشیں پیدا — چاہئے سننا جو لیجئے اس کا نام
ہے فصاحت اسی کی صورتِ نقش — ہے بلاغت اسی کی بات کا نام
وہ زباں جو ہے نازنینِ وطن — وہ زباں جو ہے دلبرِ اقوام
ہم بزرگوں سے سنتے آئے ہیں — ہے کلامِ ملک ملیکِ کلام
کیا نہیں یہ زبان نہرو کی — کیا نہیں بولتے اسے حکام
سکھ ہو عیسائی ہو کہ پنجابی — پارسی ہو کہ بندۂ اسلام
پوربی ہو کوئی کہ ہو دکھنی — یا ہو بنگال میں کسی کا قیام
ملک کے شیخ و برہمن کی قسم — کرتے ہیں سب اسی زباں میں کلام
اس میں گاتے ہیں اس میں ہنستے ہیں — اس میں ہوتے ہیں سب سلام و پیام
اس کے سجدوں سے آشنا ہے حرم — بتکدہ بھی نہیں ہے اس پہ حرام
اس کا میخانہ وا ہے سب کے لئے — پیتے ہیں سب اسی شراب کے جام

آگیا ذکر بادہ و خم کا
بے غزل اب نہیں نکلتا کام

غزل

ہاتھ سے اپنے دے کے مجھ کو جام — وہ زمانے میں ہو گیا بدنام
مسکرا کر نہ دیکھے مجھ کو — مسکراتا ہے چرخِ نیلی فام
دیکھ کر اس نے میرے دل کی طرف — مسکرا کر لیا کلیجہ تھام

خلد میں چل کے دیکھئے تو سہی — کیا وہاں بھی ہے کوئی مست خرام
روز جاتا ہے بتکدے میں کوئی — اور مجھ پر ہے کفر کا الزام
جب سوا عشق کے نہیں کچھ بھی — کس کا آغاز اور کیا انجام
سایۂ زلف ہی میں گزر رہی ہیں — حسن کی صبح اور عشق کی شام
زیب میخانے کے جھروکے سے — کرتے ہیں گنبدِ حرم کو سلام
میں کہاں تھا کہاں چلا آیا — چاہئے تھا لحاظِ ربطِ کلام
ہم ہیں اردو زبان کے وارث — ہم ہیں اردو کے خادمانِ کرام
ہم خدائے ادب کے بندے ہیں — ہم ہیں مولائے علم و فن کے غلام
ہم یہاں جمع ہیں کہ دہرائیں — ہیں زمانے پہ اس کی جو انعام
آدمی کو بنا دیا انساں — تھا یہ اردو زبان ہی کا کام
ہر دھرم میں الگ تھی ایک زبان — ملک پر تفرقہ کا تھا الزام
یک زباں اس نے کر دیا سب کو — انقلابِ وطن کا دے کے پیام
حیف اس محسنِ خلائق پر — ہر طرف سے ہے یورشِ آلام
آج پا کے بھی اپنے منھ میں زبان — اس پہ کرتے ہیں حملۂ دشنام
جس زباں نے جنم لیا ہے یہیں — اس کو جینا ہے اپنے گھر میں حرام
آج شمشیرِ نا سپاسی سے — دوست کرتے ہیں اس کا کام تمام

راجۂ راجگانِ ہند تجھے — رب اردو رکھے سدا خوش کام
سائے میں تیرے ہی بزرگوں نے — اس حسیں نے یہاں کیا تھا قیام
آج پھر تو نے لطف فرمایا — تیرے شایانِ شاں ہے یہ اقدام
پاس ہے اپنے کیا کہ نذر کریں — نہ مراتب نہ تاج و تخت و خدام
ہاں مگر دل یہ دے رہا ہے دعا — تیرے اقبال کی ہو عمر دوام

تو رہے زیبِ بزمِ اہلِ ادب
رہے جب تک یہ چرخِ نیلی فام

جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا دو آنے
کا ٹکٹ بھیجئے۔ (منیجر)

رپورٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو جے پور

جو راجستھان اردو کنونشن کے موقع پر پڑھی گئی

صدر محتشم اور حاضرین محترم!

کام زیادہ ہے اور وقت کم، اس لئے میں اپنی رپورٹ چند سطروں میں ختم کر دوں گا۔ جے پور میں مرکزی انجمن ترقی اردو کی شاخ مارچ ۱۹۵۰ء میں قائم ہوئی۔ اس وقت سے اب تک کسی مستقل آمدنی یا خاص امداد مالی کے بغیر ہم نے اپنے کاموں کو یہاں تک پہنچایا ہے کہ جس کی ایک مثال یہ کنونشن ہے اور میں اس کو اصل کام کی ابتدا سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ہمارے مقاصد بلند اور پروگرام وسیع ہے۔

حضرات! اردو، ہندو مسلم اتحاد کی یادگار اور ایک تہذیب خاص کی غیر فانی اور قابل فخر نشانی ہے۔ میں اس کی خدمت اپنے ملک کی ترقی کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ اسی لئے راہ کی دشواریوں کا مقابلہ کرتا ہوا اپنے قافلے کے ساتھ منزل مقصود کی جانب گامزن ہوں۔ ورنہ یقین کیجئے کہ راہ کی ناہمواری اور وقت کی ناسازگاری تھکا کر چور کر دینے اور سراپا یاس بنا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی میں اپنے تمام رفیقوں اور کنونشن کے کارکنوں کے خلوص کا سہارا لیکر یہاں تک پہنچا ہوں۔ اور ان کا شکر گذار ہوں انھوں نے انجمن کے ساتھ تعاون کر کے ایک اہم ملکی اور قومی خدمت کی بنا ڈالی ہے۔ جس کو راجستھان کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں ان دوستوں کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے مجھے اردو کے دوستوں اور اس کے دوست نما دشمنوں کی پہچان بتائی۔

حضرات! کنونشن کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ اس وقت جس اہم مسئلہ کی طرف مجھے اشارہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہم راجستھان میں انجمن کی ریاستی شاخ قائم کر کے اردو کی تعلیمی اور ارتقائی پروگرام کو پورے راجستھان میں پھیلا دینا چاہتے ہیں۔ اور یہ ہماری خوش قسمتی کی پہلی دلیل ہے کہ راجستھان کے کونے کونے سے اردو کی ترقی چاہنے والے یہاں موجود ہیں نامناسب نہ ہوگا اگر میں انجمن جے پور کی چند خدمات بالاختصار عرض کر دوں کیونکہ تفصیل کے لئے تو وقت درکار ہے یعنی اس دوران میں بلا تفریق مذہب و ملت ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی کا تین سو کی تعداد میں اس کا ممبر ہونا، ہر سال باقاعدہ حسابات کا چیکنگ اور اشاعت دو ایسے مشاعروں کا منعقد ہونا جن کے سامعین کے ہجوم نے شارع عام روک دیئے۔ ایک روزانہ اخبار کا اجراء جو اگرچہ تین ماہ بعد بند ہو گیا مگر وقت آ رہا ہے کہ اس کی ضرورت کا احساس پھر جاری کرکے چھوڑے گا۔ جے پور کے شعراء کا تذکرہ مرتب کیا جانا جو حقیقتاً یہاں کی تاریخ ادب ہے اور جس میں دو سو سے زائد شعراء کے حالات نمونۂ کلام اور اس پر تبصرہ ہے۔ یہ ایک اہم ادبی خدمت ہے اور یہ تذکرہ بغرض طباعت مرکزی انجمن کو بھیجا جا چکا ہے۔ اب اس کو مطبوعہ حالت میں دیکھنے کا عام مطالبہ ہے

میں من جانب انجمن ان جملہ اصحاب کا بھی سپاس گذار ہوں جنھوں نے زحمت سفر گوارا فرما کر شرکت فرمائی اور آپ جملہ حاضرین کا بھی کہ اس باعث مجھے اس جگہ کھڑے ہونے کی عزت نصیب ہوئی۔ میں اُمید واثق رکھتا ہوں کہ آپ کی توجہ فرمائی ریاستی انجمن کی کامیابی کی ضامن ثابت ہوگی اور ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر دم لیں گے۔

احترام الدین احمد شاغل

جنرل سکریٹری، انجمن ترقی اردو، جے پور

راج پرمکھ راجستھان کا خیر مقدم

الطاف احمد خیری صدر انجمن ترقی اردو جے پور کی افتتاحیہ تقریر

(بسلسلہ گذشتہ سے پیوستہ)

جناب والا کی ان خصوصیات کے پیش نظر عہد حاضر میں آنجناب کی ہستی ہی اس کنونشن کا افتتاح کرنے کیلئے موزوں ترین ہو سکتی تھی چنانچہ ہم کو یہ زحمت دینے کی جرأت ہوئی اور یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے ہماری درخواست قبول فرما کر راجستھان کی دنیائے ادب پر احسان فرمایا۔

عالی جاہ! انجمن ترقی اردو ایک کل ہند جماعت ہے جس کا کام اردو زبان اور اردو ادب کی ترقی ہے چنانچہ اپنی وفات کے وقت تک سر تیج بہادر سپرو اس انجمن کے صدر تھے۔ اب سے کچھ ماہ قبل تک اس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تھے اور آج کل صدارت کے فرائض عبدالمجید خواجہ انجام

سے رہے ہیں اور ہندو مسلم اور سکھ سب ہی ہیں۔ انجمن ترقی اردو ہند کی ایک شاخ جے پور ۱۹۴۸ء میں قائم ہو چکی ہے۔ موجودہ اردو کنونشن ایک ریاستی شاخ کے قیام کی غرض سے بلایا گیا ہے۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا غیر ضروری سا معلوم ہوتا ہے کہ اردو اسی ملک کی پیداوار ہے۔ یہیں پیدا ہوئی۔ یہیں پھلی پھولی اور پروان چڑھی۔ دستور ہند کے آٹھویں جدول میں اردو بھی درج ہے اور اس طرح ملک کی چودہ بڑی زبانوں میں اردو کا بھی شمار ہے۔ اس کے علاوہ اردو ہندو مسلم اور سکھوں کا مشترک ورثہ ہے ماضی میں بھی اردو ملک میں اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ تھی اور اب بھی ہے۔ چنانچہ اس کنونشن میں بھی بلاتفریق مذہب وملت سب شامل ہیں۔ جنگ آزادی میں بھی اردو نے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ اردو اسوقت کسی ریاست کی سرکاری زبان نہ ہونے کے باوجود بھی پہلے سے زیادہ مقبول ہے اور اس سے محبت رکھنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ ہمارے یہاں جمع ہونے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اردو نہ صرف زندہ رہے کہ وہ یقیناً زندہ رہے گی بلکہ وہ زیادہ ترقی کرے گی اور پہلے سے زیادہ ملک کی ترقی، فلاح و بہبود اور اتحاد میں مدد دے گی۔

اب میں اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے پھر ایک بار جلسے کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ عالی جاہ اس کنونشن کا افتتاح فرمائیں۔

ختم کرنے سے قبل وہ پیغامات سنانا چاہتا ہوں جو اس کنونشن کی کامیابی کے لئے موصول ہوئے۔

پیغامات

(۱) پنڈت جواہر لال نہرو
(۲) رادھا کرشنن
(۳) مولانا ابوالکلام آزاد
(۴) خواجہ غلام السیدین
(۵) ڈاکٹر سید محمود
(۶) عبدالمجید خواجہ
(۷) بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے پیغامات سنائے گئے۔

اس کے بعد مہاراج راج پر مکھ نے اپنی زبان سے ایک عالمانہ تقریر ارشاد فرمائی۔

دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

خطبۂ صدارت

ہز ہائی نس کیپٹن نواب مرزا امین الدین احمد خاں بہادر والیٔ ریاست لوہارو

جو راجستھان اردو کنونشن کی بزم مقالات ۱۶ مارچ ۱۹۵۸ء میں پڑھا گیا۔

خواتین و حضرات!

آپ نے دعوت نامے میں دیکھ لیا ہوگا کہ اس جلسے کا مقصد یہ ہے کہ ہم باہمی مشورے اور غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کریں کہ اردو زبان کی ترقی و ترویج سارے ملک میں عام طور پر اور راجستھان میں خاص طور پر کس طرح ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ بعض حلقوں کی طرف سے اردو کی مخالفت ہو رہی ہے اور اس مخالفت کی وجہ یہ قرار دی جاتی ہے کہ اول تو اردو اس ملک کی زبان نہیں اور اگر کبھی تھی بھی تو اب جب کہ ہندی راشٹریہ بھاشا منظور کر لی گئی ہے۔ تو اس کی ضرورت نہیں، میں مختصراً اسی مسئلے کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

زبان بھی ضرورت کی پیداوار ہے۔ انسانی فطرت کا یہ اٹل قانون ہے کہ جب انسان کو کوئی ضرورت پیش آتی ہے، تو وہ اس کے پورا کرنے کے وسیلے تلاش کرنے لگتا ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں اسی طرح وجود میں آئیں اور آئندہ بھی ہر قسم کی ایجادیں اور اختراعیں اسی اصول پر ہوں گی۔ اردو بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ محمد بن قاسم کے ساتھ آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمان یہاں آئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اس سے بہت پہلے دوستانہ اور تاجرانہ حیثیت سے۔ اپنا مال لے کر اسے بیچنے اور یہاں کی پیداوار اور مصنوعات خرید کر اپنے ملک کو لے جانے کی غرض سے آئے تھے۔ وہ سمندری رستے سے آئے اور جنوبی ہند کی بندرگاہوں اور گجرات کے ساحلوں پر اترے۔ یہاں وہ ہندوستانی آبادی سے تاجروں کی طرح ملے۔ اپنی چیزیں ان کے ہاتھوں بیچیں اور ان کی چیزیں اُن سے خریدیں۔ کیا یہ مانا جا سکتا ہے کہ لاکھوں روپے کے لین دین، مول، تول خرید و فروخت کی ساری باتیں صرف عربی زبان یا صرف مقامی زبان میں کی ہوں گی بلکہ جب یہ دونوں قومیں ملیں اور انھیں دوسرے کی بات سمجھنے اور اپنی سمجھانے کی ضرورت پیش آئی تو فوراً ایک نئی زبان پیدا ہو گئی۔ گجرات میں یہ عربی اور گجراتی کی آمیزش سے بنی۔ دکن میں یہ دکھنی کہلائی اور پھر جب مسلمان خشکی کے راستے، پنجاب کی طرف سے آئے تو اس میں پنجابی اور

ہندی کا عنصر زیادہ نمایاں ہوگیا۔ اس لئے جب ایک محقق کہتا ہے کہ اردو سندھ میں پیدا ہوئی اور دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں یہ گجرات میں پیدا ہوئی، اور ایک اور صاحب لکھتے ہیں کہ نہیں اس کی ابتدا پنجاب میں ہوئی تو بنیادی طور پر وہ تینوں درست کہتے ہیں کیونکہ ملک کے جس خطے میں بھی ہندو مسلمانوں کا میل ملاپ ہوا، وہاں بول چال کی ضرورت کے نتیجے میں یہ نئی زبان وجود میں آئی اور چونکہ یہ میل ملاپ ملک کے کسی ایک حصے تک محدود نہیں تھا، اس لئے لازمی طور پر نئی زبان کا بیج ایک ہی وقت میں الگ الگ مقاموں پر بویا گیا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ نئی زبان ایک زمانے تک مقامی بول کی حیثیت سے آگے نہیں بڑھی۔ لیکن اس کا یہی ننھا سا بیج آہستہ آہستہ جڑ پکڑ گیا۔ اس نے ہندوستان کی مختلف زبانوں کے سوتے سے دل کھول کر تراوٹ حاصل کی اور دیکھتے دیکھتے اس میں کونپلیں نکلیں اور شگوفے پھوٹے اور یہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ اس نئی زبان کو کل ہند حیثیت اس وقت حاصل ہوئی جب اُس نے برج بھاشا اور شورسینی اور شمالی ہند کی دوسری بولیوں سے اپنا علاقہ جوڑا اور اُن کے الفاظ سے بے جھجک اپنا دامن بھرا۔ اس کے بعد یہ سارے شمالی ہند میں عام طور پر بولی اور سمجھی جانے لگی۔ مختلف زمانوں میں اس کے مختلف نام رہے۔ ہندی، ریختہ، ہندوستانی اور اردو اسی ایک زبان کے مختلف نام ہیں۔ اس کے تمام فعل ہندی ہیں۔ گرامر کی بنیاد ہندی گرامر پر ہے۔ الفاظ کا اسی پچاسی فیصدی ذخیرہ ہندی زبانوں سے لیا گیا ہے۔ باقی پندرہ بیس فیصدی فارسی، عربی، انگریزی اور یورپ کی بعض دوسری زبانوں کے الفاظ ہیں۔

غرض کہ یہ زبان اسی ملک میں پیدا ہوئی۔ اسی ملک میں پروان چڑھی۔ اسی ملک کے باشندوں نے اس کی نوک پلک درست کرکے اسے اس قابل بنا دیا کہ آج اس میں ہر فن کی اونچے پائے کی معیاری کتابیں موجود ہیں اور اسے کسی پہلو سے بھی دنیا کی کسی دوسری زبان کے سامنے آنکھ نیچی کرنے کی ضرورت نہیں۔

ظاہر ہے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ یہ زبان مختلف فرقوں کے میل جول سے پیدا ہوئی تھی تو کیا اس کی پیدائش کے بعد دوسرے فرقوں نے اسے چھوڑ دیا اور یہ صرف ایک ہی فرقہ کی زبان ہو کے رہ گئی؟ نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی مرحوم جیسا محقق اور نامور انشا پرداز لکھتا ہے کہ اس زبان میں سب سے پہلی غزل پنڈت چندربھان برہمن نے لکھی۔ پنڈت چندر بھان شاہجہاں بادشاہ کے دربار میں میر منشی تھے اور بادشاہ کے سب سے بڑے لڑکے دارا شکوہ کے مصاحب و مشیر اور معتمد تھے۔ اردو کا سب سے پہلا اخبار جام جہاں نما کلکتے سے ۱۸۲۲ء میں نکلا اور آپ کو معلوم ہے اس کے ایڈیٹر کون صاحب تھے؟ ان کا نام منشی سدا سکھ تھا۔

پھر بعد کے زمانے میں بھی مختلف فرقوں کے مصنفوں ادیبوں اور شاعروں نے جس جس طرح سے اس زبان کی خدمت کی اور اس کی ترقی کی کوششیں کیں، وہ اس زبان کی تاریخ کا ہر ایک طالب علم جانتا ہے۔ کیا ہم ادیبوں میں پنڈت رتن ناتھ سرشار، لالا جپت رائے، منشی پریم چند، پنڈت برج نرائن چکبست، کشن پرشاد کول، دیا نرائن نگم، برج موہن دتاتریہ کیفی کو نظر انداز کر سکتے ہیں؟ یا کیا ٹیکا رام تسلی، سرب سنگھ دیوانہ، دیا شنکر نسیم، درگا سہائے سرور، نوبت رائے نظر، تلوک چند محروم، رگھوپتی سہائے فراق، آنند نرائن ملا، کی شاعرانہ عظمت کوئی بھلا سکتا ہے؟ ان اصحاب نے اس زبان کو اپنے خون دل سے سینچا ہے۔ اور ہمارا رُواں رُواں اُن کا شکر گزار ہے۔

کیا ان حقائق کی موجودگی میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اردو اس ملک کی زبان نہیں یا یہ صرف کسی خاص طبقے کی زبان ہے۔

یہی نہیں، بلکہ اس زبان نے ملک کی آزادی کی جنگ میں بھی جس طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس کے مصنفوں اور شاعروں نے اس پہلو سے بھی ملک کی جو خدمت کی ہے، وہ اتنی شاندار اور قابل قدر ہے کہ جب بھی ہماری جنگ آزادی کی تاریخ اس پہلو سے لکھی جائے گی، اردو ملک کی دوسری زبانوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے گی۔ کیا حسرت موہانی کی سیاسی شاعری بھلانے کی چیز ہے؟ کیا پنڈت چکبست کی نظمیں جن میں انھوں نے آزادی وطن کے گیت گائے ہیں، کسی طرح ہمارے دلوں سے محو ہو سکتے ہیں؟ میں چاہوں تو اس فہرست کو طویل کردوں۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ کا زیادہ وقت لوں۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اردو اسی ملک میں پیدا ہوئی اسی ملک کی آب و ہوا میں اس نے پرورش پائی۔ اسی ملک کی زبانوں سے اس نے اپنا الفاظ کا ذخیرہ جمع کیا۔ اسی ملک کے باشندوں نے ــــ جن میں ہندو اور مسلمان، عیسائی اور سکھ بلا امتیاز مذہب سب کے سب شامل ہیں ــــ اس کی ترقی میں برابر کا حصہ لیا۔ ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اس ملک کی زبان نہیں

موجودہ وقت میں یہ زبان اس ملک کی وحدت اور اتحاد کی نشانی اور ضمانت ہے۔ اس وقت بھی جتنے اخبار اور رسالے

اردو زبان میں چھپتے ہیں، ملک کی کسی دوسری زبان میں نہیں چھپتے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اردو کے بولنے والے اور پڑھنے والوں کی تعداد دوسری زبانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف اردو کے سہارے اس عظیم الشان ملک کی سیر کرنا چاہے تو اسے کسی جگہ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اسے ہر جگہ اردو بولنے اور سمجھنے والے آسانی سے مل جائیں گے۔

ہم ہندی کے مخالف نہیں اور اب جب کہ دستور نے ہندی کو راشٹریہ بھاشا کا مقام دے دیا ہے، کوئی شخص ہندستانی کہلاتا ہوا اس کا مخالف ہو ہی کیوں سکتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ خود ہندی سیکھے اور اس کی ترقی میں پوری پوری مدد دے لیکن اردو دوستی، کسی طرح ہندی زبان کی دشمنی نہیں۔ ہندی ہمارے ملک کی زبان ہے اور ہم اسی لئے اسے سیکھتے ہیں۔ لیکن اردو بھی ہمارے ہی ملک کی ایک زبان ہے اور یہ ہمارے سینکڑوں برس کے کلچر اور تہذیب کی سرمایہ دار ہے، اس لئے ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ اسے چھوڑ دینے کا یہ مطلب ہوگا کہ ہم نے ملک کی اتنی صدیوں کی تاریخ اور اس زمانے کی ترقی کو ملیامیٹ کر دیا۔ اگر ہم لال قلعہ دہلی پر یا تاج محل آگرہ پر فخر کرتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اردو پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

اور سچ تو یہ ہے کہ زبانیں نہ کسی کے بنائے بنتی ہیں اور نہ کسی کے مٹائے مٹتی ہیں۔ اردو پیدا ہوئی کیونکہ اس کی ضرورت تھی یہ زندہ رہے گی اور بدستور ترقی کرتی رہے گی۔ کیونکہ اس ملک کو اس کی ضرورت ہے اور جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ کبھی مٹ نہیں سکتی۔ آپ حضرات کا یہ اجتماع ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس ملک میں اس زبان کے زندہ رہنے کی ضرورت ہے۔

مجھے پوری امید ہے کہ اردو زبان سے محبت رکھنے والے پوری طرح اس کی کوشش کرتے رہیں گے کہ یہ سادہ اور عام فہم زبان ملک کے گوشے گوشے میں ہمیشہ کی طرح بولی اور سمجھی جاتی رہے اور بدستور ترقی کرتی رہے۔

اب میں اس مجلس مشاعرہ کا افتتاح کرتا ہوں۔

٭ خطبۂ استقبالیہ پڑھا جس میں اردو زبان کی ہر دلعزیزی اور قصبہ نہٹور میں اردو کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی تھی جس کو حاضرین نے بے حد پسند کیا۔

(بقیہ صفحہ ۔۔ پر ملاحظہ ہو)

اردو کانفرنس نہٹور

اہالیان قصبہ نہٹور کی جانب سے ایک نہایت کامیاب سہ روزہ "اردو کانفرنس" میور ہائر سیکنڈری اسکول کے وسیع میدان میں منعقد ہوئی۔

پہلے اجلاس میں "مقالہ خوانی" ہوئی۔ اس اجلاس کی صدارت چودھری خوب سنگھ صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے منظور فرمائی لیکن ان کے تشریف نہ لانے کے باعث اس کی صدارت مشہور شاعر اور ادیب حضرت سردار جلیل کوٹی کوٹی وکیل بجنور نے کی۔ مقالہ نگاری کا عنوان تھا "اردو اسی ملک کی مادری زبان ہے" بہت سے اشخاص نے اس موضوع پر اپنے مقالے پڑھے جن میں قابل ذکر حضرت سردار جلیل شیرکوٹی مرزا شرافت حسن بجنوری ایم۔ اے اور ضلع کے مشہور ہومیوپیتھ جناب ڈاکٹر آفتاب احمد خاں بجنوری، مشہور شاعر جناب طلعت نہٹوری، حکیم احسن صاحب نہٹوری اور اور جناب محبوب الرحمٰن صاحب سیوہاروی ہیں۔ حضرت سردار جلیل جناب مرزا شرافت حسین اور جناب ڈاکٹر آفتاب احمد خاں کے مقالے نہایت بلند پایہ اور تحقیق و مطالعہ کے آئینہ دار تھے اجلاس کے عین اختتام کے قریب جناب چودھری خوب سنگھ صاحب تشریف لے آئے تھے اور انھوں نے اردو زبان کی تاریخ اور اس کے مستقبل کے متعلق ایک ولولہ انگیز اور معرکۃ الآرا تقریر کی جس کو سامعین نے بے حد سراہا۔

دوسرے روز تقریری مقابلہ ہوا جس کا موضوع "اردو کو بنیادی حق ہے کہ اس کو صوبہ یوپی کی علاقائی زبان تسلیم کر لیا جائے" اس اجلاس کی صدارت جناب گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی سابق وزیر صوبہ دہلی و چیف ایڈیٹر "روزنامہ سنسار" دہلی نے قبول کر لی تھی لیکن موصوف کی عدم آمد کے باعث اس اجلاس کی صدارت جناب چودھری ہوری سنگھ صدر ڈسٹرکٹ بورڈ بجنور نے کی اس اجلاس میں بہت سے شعلہ نوا مقرروں نے تقریریں کیں۔

تیسرے روز ایک نہایت شاندار غیر طرحی مشاعرہ ہوا۔ جس کی صدارت آنریبل حافظ محمد ابراہیم صاحب نے قبول کر لی تھی لیکن ان کے تشریف نہ لانے کے باعث مشاعرہ کی صدارت چودھری رام سنگھ صاحب رئیس نہٹور نے کی۔

مشاعرے سے قبل صدر استقبالیہ کمیٹی اردو کانفرنس و مشاعرہ نہٹور جناب چودھری یشونت سنگھ صاحب رئیس نے ایک پر مغز

اردو کی خبریں

راجستھان اسمبلی میں مولانا محمد ابراہیم صاحب ایم ایل اے کی تقریر

صدر محترم! تعلیم کے متعلق میں نے بھی ایک کوشش رکھا ہے۔ آج ہمارا ملک آزاد ہو گیا ہے اور تعلیم کے لئے کسی دوسری جگہ جانے کی ضرورت اب اتنی نہیں رہی جتنی پہلے رہتی تھی اپنے ہی ملک میں تعلیم کا کافی اچھا انتظام ہو رہا ہے اور آج بھی ہمارے طالب علم جس تعلیم کے حاصل کرنے کے لئے دوسری یونیورسٹیوں اور دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں اس کا بھی انتظام یہاں بہت جلد ہو جائے گا اور اس طرف خاص طور سے حکومت دھیان بھی دے رہی ہے

ایک بات جس کی طرف ہمارے ملک کے تمام رہنما جو تعلیمی اعتبار سے بہت اونچے اور قابل سمجھے جاتے ہیں جیسے ہمارے محترم لیڈر جناب رادھا کرشنن اور راجگوپال آچاریہ بار بار اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ طالب علموں کا کریکٹر اور اخلاق اتنا اونچا ہونا چاہئے۔ جتنا کہ تعلیم کا تقاضا ہے۔ اسی سلسلے میں میں اپنے ایجوکیشن منسٹر صاحب سے درخواست کروں گا کہ اسکولوں میں طلبا کا معیار تعلیم اخلاقی اعتبار سے بہت اونچا ہونا چاہئے اور محکمہ تعلیم کو اس طرف خاص دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

آج جہاں ہم تعلیم کو عام کرنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور گاؤں میں دیہات میں سب جگہ تعلیم کے لئے اسکول کھولے جا رہے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ اس بات پر دھیان دیا جاوے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت بھی ہو۔ اور اساتذہ حضرات تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبا کی تربیت ان کے اخلاق و عادات کو سدھارنے کی طرف بھی توجہ رکھیں۔

دیہات میں ماسٹر صاحبان بچوں پر کم دھیان دیتے ہیں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس ٹائم پر بچے اسکول میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس ٹائم پر اگر ماسٹر صاحب بھی پہنچ جاتے ہیں تب تو کچھ پڑھائی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی طرف پورا پورا دھیان دیا جانا چاہئے کہ ماسٹر صاحبان اپنا پورا وقت دیہات میں بچوں کی تعلیم پر لگائیں آج تو مدارس کی یہ حالت ہے کہ جب تک ٹیوشن پر ماسٹر نہ رکھا جائے تب تک بچے امتحان میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اس پر خاص طور سے دھیان دیا جائے۔

اس کے ساتھ ہی ہماری ہندوستان کی پرانی زبانوں سنسکرت اور فارسی کی طرف بھی میں ہاؤس کو توجہ دلاتا ہوں کہ ان زبانوں میں بہت زیادہ علمی ذخیرہ محفوظ ہے اور فارسی و سنسکرت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لہٰذا ان کو زیادہ سے زیادہ ترقی دی جائے تاکہ ہندوستان اس سے فائدہ حاصل کر سکے۔

اسی طرح دوسرے ملکوں یعنی مارک ایشیا میں ہمارے ملک کی شہرت ہے اور باہر سے آنے والے لیڈروں کے خیالات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابھی شاہ ایران ہندوستان تشریف لائے۔ انھوں نے جابجا اپنے بیانات میں اس بات کا اظہار کیا کہ میں نے فارسی کے ذریعے ہندوستان کو جانا ہے۔ اور خاص طور سے خواجہ امیر خسروؒ جو ہندوستان میں فارسی اور سنسکرت کے بڑے زبردست عالم تھے۔ ہندوستان کے جاننے میں سب سے زیادہ مدد ان سے ملی ہے۔

اس کے ساتھ ہی میں اپنے چیف منسٹر صاحب سے درخواست کروں گا کہ ہندوستان میں اردو زبان ایک مانی ہوئی زبان ہے جو اسی ملک کی پیداوار ہے۔ اور ہندوستان کے ہندو مسلمان سکھ عیسائی مذاہب کی ہزاروں کی تعداد میں مذہبی کتابیں اردو میں منتقل ہو چکی ہیں۔ اور ہندوستان کے مختلف مذاہب کا کافی ذخیرہ اردو میں موجود ہے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں ہندوستان میں روزنامے اردو اخبارات نکلتے ہیں۔ ماہواری اور ہفتہ واری رسالے تو علیحدہ رہے۔ دوسرے ملکوں کو آپ اگر دیکھیں گے تو وہاں بھی اردو اخبارات کی اشاعت کافی تعداد میں ملے گی۔ انڈونیشیا میں اردو کے روزآنہ کئی پیپر نکلتے ہیں۔ برما میں کافی اخبارات اردو میں نکلتے ہیں۔ اسی طرح اور دوسرے ممالک ہیں جن میں کافی تعداد اردو اخبارات و رسائل کی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اردو کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ جو کہ راجستھان میں ۱۹۵۰ء تک متعدد اسٹیٹوں کی سرکاری زبان رہی ہے۔ راجستھان کی سب سے بڑی اسٹیٹ جے پور کی سرکاری زبان ۱۹۴۹ء تک اردو رہی۔ اسی طرح ٹونک، اودے پور، دھولپور کی بھی ۱۹۵۰ء تک سرکاری زبان اردو ہی رہی۔ اردو ہندوستان کی چودہ زبانوں میں سے ایک زندہ اور ترقی یافتہ زبان ہے جو ہندوستان کے آئین کی مانی ہوئی زبان ہے لہٰذا اس کو ہمیں ہرگز نہ بھولنا چاہئے۔

ہماری سیکولر اسٹیٹ میں تمام زبانوں کو پھلنے اور پھولنے

کا موقع دیا جانا چاہئے ۔ میں چیف منسٹر صاحب کا دھیان اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ اردو کے لئے ۔ راجستھان میں ابھی تک کوئی گنجائش نہیں ہے جن راجاؤں کے لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کے زمانے میں اچھا انصاف اور اچھی حکومت نہیں تھی ۔ ان کو بھی اردو میں سہولتیں دی جاتی تھیں ۔ آج تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ اردو کو راجستھان کی علاقائی زبان تسلیم کیا جاتا ۔ لہذا میں یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ راجستھان میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کیا جائے اور اس کا واجب حق اسے دیا جائے ۔ ساتھ ساتھ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ جہاں دیہات میں لڑکوں کے لئے تعلیم کا انتظام کیا جا رہا ہے ۔ وہاں لڑکیوں کے لئے بھی انتظام کیا جانا چاہئے اور اس طرف خاص طور پر دھیان ہونا چاہئے ۔

(نامہ نگار)

کل ہند اردو کانفرنس

مئی ۱۸ تا ۲۰ مئی ۱۹۵۸ء کو حیدرآباد میں منعقد ہونے والی کل ہند اردو کانفرنس کی علمی کمیٹی کا جو اجلاس ۲۸ مارچ ۱۹۵۸ء کو صبح ۹ بجے اردو ہال (حمایت نگر، حیدرآباد دکن) میں منعقد ہوا تھا اس میں حسب ذیل امور طے پائے ہیں۔

(۱) کل ہند اردو کانفرنس میں حسب ذیل موضوعات اور مسائل پر غور کر کے ان کے بارے میں قرار دادیں یا دوسری طرح پر تجویزیں مرتب کی جائیں۔

(۱) موجودہ ہندوستان میں اردو زبان کا موقف ۔
(دستور کی رو سے نئی تشکیل پانے والی ریاستوں میں اردو کی کل ہند اہمیت)

(۲) اردو ادب کے موجودہ مسائل ۔
(عام طور پر اور خاص خاص اصناف کی ترقی کے لحاظ سے جائزہ رجحانات، بعض اصناف جیسے ناول، ڈرامہ، سوانح عمری، طویل منظومات پر زیادہ توجہ کیوں نہیں کی جا رہی ہے ان کو فروغ دینے کے وسائل)

(۳) اردو ادب کی اشاعت کا مسئلہ ۔
(اشاعت کی راہ میں دقتیں ان سے عہدہ برآ ہونے کے وسائل اشاعت گھر کے قیام پر غور ۔ ساہتیہ اکاڈمی کے انعامات اردو اداروں کی امداد، ریاستوں کی حکومت کی جانب سے مہمت افزائی، کتب خانے، ریڈیو نظم، تراجم، اردو صحافت)

(۴) رسم خط اور اس کے مسائل
(اصلاح، تبدیلی، ذیلی یا ثانوی رسم خط، ٹیلی ٹائپ)

(۵) اردو کے تحفظ کی عملی تجاویز
(حکومت سے کیا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور اردو بولنے والے خود کیا کریں)

(۶) اردو تعلیم ۔
(تحتانی، وسطانی، فوقانی، ایس۔ آر۔ سی رپورٹ کی سفارشات، اردو تعلیم پر اس کا اثر)

(۷) اردو اصطلاحات کے مسائل ۔
(قدیم زبانوں سے کم سے کم مدد لیتے ہوئے عام بول چال کی زبان سے اصطلاحوں کے نشو و نما دینے کے وسائل پر غور ۔ مختلف ریاستوں کی مروجہ عمومی اور فنی اصطلاحات کا جائزہ)

(۲) یہ بھی طے پایا کہ مذکورہ بالا موضوعات اور مسائل میں سے پہلے دو پر سمپوزیم ہوں اور باقی دوسرے مسائل پر گروپ مباحث منعقد کئے جائیں۔

(۳) اس سلسلے میں مختلف ریاستوں کے نمائندوں سے خواہش کی جائے جن مسائل پر مباحث میں حصہ لینا چاہیں اپنے منصوبے سے متعمد کو براہ کرم ۲۰ اپریل ۱۹۵۸ء تک مطلع فرمائیں تاکہ ان مسائل پر مباحث گہرے طور پر غور کیا جا سکے اور عملی تجویزیں مرتب کی جا سکیں ۔ کمیٹی نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ کانفرنس کے اس اجلاس میں آزادی کی جدوجہد میں اردو ادب کا جو حصہ رہا ہے اس پر ایک مبسوط اور مستند کتاب کی تدوین اور اشاعت کے بارے میں غور کیا جائے ۔

کمیٹی کی یہ خواہش ہے ۔ مذکورہ بالا امور پر آپ اپنی ریاست کے ارباب اردو سے تبادلۂ خیال فرما کر جو تجویزیں کانفرنس میں غور کرنے کے لئے اپنے ساتھ لائیں۔

(کنوینر علمی کمیٹی، عبدالقادر سروری)

دہلی

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب صدر بزم ادب دہلی یونیورسٹی دہلی سے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

دہلی یونیورسٹی کی بزم ادب کی جانب سے اردو میں مقالہ نویسی کا جو آل انڈیا انٹر یونیورسٹی مقابلہ کیا گیا تھا اس میں سید عبدالباری صاحب متعلم لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ کو بہترین مقالہ پر ایک طلائی تمغہ انعام میں دیا گیا ہے جس کا عنوان ہے۔

" ہندوستان کی تہذیبی ترقی میں اردو کا حصہ :
کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے ۔ "

انجمن کی خبریں

امروہہ انجمن ترقی اردو ہند شاخ امروہہ کے سالانہ جلسۂ عام میں دستور العمل میں چند ترامیم کے بعد جناب حکیم کلب علی صاحب شاہد کو سال رواں کے لئے صدر، مجاہد علی خانصاحب کو خازن اور پروفیسر سید مختار حسین صاحب ایم۔ اے کو ڈائریکٹر منتخب کیا گیا صدر منتخب نے حسب قواعد انجمن اپنے حسب ذیل معاونین کے ناموں کا اعلان فرمایا۔

نائب صدر :- جناب تاباں نقوی، مدیر نوائے ہند۔ امروہہ

جنرل سکریٹری :- جناب عزیز احمد صاحب عباسی

جوائنٹ سکریٹری :- جناب سرور علی صاحب شبنم صدیقی۔

اراکین مجلس عاملہ۔

(۱) مولانا نسیم احمد صاحب فریدی رئیس دارالافتاء جامعہ اسلامیہ امروہہ

(۲) مولانا سید محمد عبادت صاحب کلیم پرنسپل دارالعلوم سید المدارس

(۳) سید سید تقی مرتضٰی صاحب لکچرر امام المدارس انٹر کالج

(۴) ابوالبیان مولوی سلطان احمد صاحب سکم صدر شعبۂ فارسی دارالعلوم چلّہ

(۵) مولوی صدر الدین احمد صاحب صدیقی میونسپل کمشنر۔

(۶) مولوی حکیم سید محمد احمد صاحب عباسی

(۷) سید تقی حسن صاحب نقوی۔ بی۔ اے۔

(۸) حکیم حیات اللہ صاحب

(۹) سید قمر رضی صاحب بی۔ اے۔

(۱۰) حکیم سید ثروت حسن صاحب نقوی

(۱۱) منشی سعادت اللہ صاحب قریشی

(۱۲) سید احسان احمد صاحب

(نامہ نگار)

کلکتہ جناب غلام سرور صاحب نگار، ایڈیٹر روزنامہ "سنبد" جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو کلکتہ تحریر فرماتے ہیں۔

۲۰ر مارچ کو کلکتہ کے حامیان اردو نے مرکزی انجمن کی شاخ قائم کی ہے۔ جس کے عہدے دار اور ارکان مجلس انتظامیہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

خان بہادر سید محمد سلیمان صاحب وردو صدر

شری پرکاش نرائن کپور صاحب ڈائرکٹر ڈنلوپ ربر کمپنی لیمٹڈ کلکتہ (نائب صدر)

شری ہیرالال چوپڑا صاحب ایم۔ آر۔ کولا لیڈ لسٹ پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی (جنرل سکریٹری)

شری سکندر لال صاحب کپور خازن

جناب جاوید اقبال صاحب ایم۔ اے

جناب شکیل احمد صاحب بی۔ اے

جناب امیر حسن صاحب صدیقی

شری ہروت رائے شکلا صاحب بی۔ اے

مسز حسینہ مرشد بی۔ اے۔ سابق۔ ایم۔ ایل۔ اے۔ (ممبران)

فیروزآباد ۹ر اپریل کی رات میں انجمن ترقی اردو فیروزآباد کے زیر اہتمام ایک مشاعرہ منعقد ہوا۔

منتخب صدر مرکزی انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری جناب آل احمد صاحب سرور تھے۔ مگر آپ کی گاڑی دیر سے پہونچی اس لئے مشاعرہ کی کارروائی خیر بہوردی صاحب کی صدارت میں شروع کر دی گئی۔ مگر جب گیارہ بجے کے قریب سرور صاحب مشاعرہ گاہ میں تشریف لائے تو خیر صاحب نے اعلان کیا کہ اب باقاعدہ مشاعرہ آل احمد صاحب سرور کی صدارت میں شروع ہو رہا ہے چنانچہ سب سے پہلے فیروزآباد کی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری صاحب نے گل پوشی کی رسم ادا کی اور صدر مشاعرہ کی تشریف آوری کا خیر مقدم کرتے ہوئے استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے خطبہ پیش کیا جس کے جواب میں آل احمد صاحب سرور نے شعر و ادب کی اہمیت پر اپنے عالمانہ خیالات کا اظہار فرمایا۔

دوسرے دن ۱۰ر اپریل کو ظہیر الدین علوی صاحب نے فیروزآباد کے کامیاب طلبہ کو جو جامعہ کے امتحانات میں شریک ہوئے تھے سندیں تقسیم کیں۔ اس کے بعد حسب پروگرام اردو سمپوزیم کی کارروائی شروع ہوئی جس کا عنوان تھا۔

"اردو کا مستقبل روشن ہے"

سمپوزیم کے اجلاس کی صدارت آل احمد صاحب سرور نے فرمائی اور اپنی تقریر میں کہا کہ "اردو زبان ہندوستان کے جلوۂ صد رنگ کی عکاس ہے۔ یہ کھڑی بولی کا ادبی روپ ہے اس کی نظم و نثر میں محمد قلی قطب شاہ سے لیکر آج تک کی زندگی

کا پرتو نظر آتا ہے۔ ہم ایک نئے نظام کی تشکیل میں مصروف ہیں۔ ملک کی تعمیر و ترقی میں اقلیت اور اکثریت دونوں کو اپنی اپنی بساط کے مطابق حصہ لینا ہے۔ ہندوستان ایک ایسا محل ہے جس کے بہت سے دروازے ہیں۔

اس محل میں اردو زبان والے اردو کے ذریعہ ہندی والے ہندی کے ذریعے اور بنگالی زبان والے بنگالی کے ذریعے ہی داخل ہو سکتے ہیں۔

اردو کا مستقبل روشن ہے۔ اس لئے کہ وہ عوام کے دل کی دھڑکنوں کی آئینہ دار ہے۔ اردو زبان نے عرب و عجم اور انگلستان سے بہت کچھ حاصل کیا ہے اور اس نے ہندوستانی ادب کو اور ہندوستانی ادب کے ذریعے دنیا کے ادب کو بہت کچھ دیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی اس دین کو دوسرے رسم الخطوں میں بھی پیش کریں تاکہ اس سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔"

سمپوزیم کا آغاز مغیث الدین صاحب فریدی کی نظم سے ہوا۔ رفیع اللہ صاحب عنایتی علیگ ریسرچ اسکالر نے مقالہ پڑھا اور نسیم قریشی۔ فوق کریمی اور مولانا انور صابری نے تقریریں کیں۔

(نامہ نگار)

نئی کتابیں

ہندوستانی سماجیات

از ڈاکٹر جعفر حسین
ناشر انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

انجمن ترقی اردو ہند نے ابھی حال ہی میں دو ایسی اہم کتابیں شائع کی ہیں جن سے اردو زبان کے علمی سرمایے میں بہت بڑا اضافہ ہوا ہے۔ ایک کتاب ڈاکٹر جعفر حسن کی تصنیف "ہندوستانی سماجیات" ہے۔ کسی مصنف نے اب تک کم از کم اردو میں ایسی کتاب نہیں لکھی تھی جس میں ہندوستان کے سماجی مسائل کا ایسی گہری نظر سے مطالعہ کیا گیا ہو۔ ہندوستان کا ایسا کوئی سماجی مسئلہ نہیں ہے جس پر ڈاکٹر جعفر حسن نے روشنی نہ ڈالی ہو۔ ان تمام سماجی مسائل کو ان کے تاریخی پس منظر میں دیکھا گیا ہے اور ہندوستان کے مختلف سماجی اداروں کا تاریخی ارتقا بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ نہ صرف پرانے رسم و رواج کا جائزہ لیا گیا ہے بلکہ آج کے سماج میں جو پرانے رسم و رواج کے اثرات ہیں ان کا بھی دقت نظر سے تجزیہ کیا گیا ہے۔ ہمارے موجودہ سماج میں قول و عمل کا جو تضاد اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اس پر ڈاکٹر جعفر حسن نے عالمانہ بے رحمی سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کے لہجے کی سختی میں ایک پرخلوص عالم کی مضطر روح کی بے چینی بار بار جھلکتی ہے۔ سماجی اصلاح کے جوش میں وہ کسی ایک انتہائی نقطہ کی تائید نہیں کرتے بلکہ قدیم و جدید کا مساوی طور پر جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ سماجیات کا علم ابھی تک اتنی ساری ترقی کے باوجود اپنی ابتدائی منزل پر ہے اور اس لئے واقعات کے تجزیہ میں اپنی پسند اور حقیقت کے کبھی کبھی مل جانے کا ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے۔ ڈاکٹر جعفر حسن نے ممکنہ حد تک واقعیت کے نقطہ نظر سے حالات اور سماجی اداروں کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے اور یقیناً وہ اپنی کوشش میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔

اپنی کتاب میں ڈاکٹر جعفر حسن نے اس تاریخی حقیقت کو ہر جگہ پیش نظر رکھا ہے کہ ہندوستان کی سماجی تاریخ صرف چند سماجی اداروں کے تسلسل کی تاریخ نہیں ہے۔ بلکہ ہماری تاریخ کے ہر دور میں سماجی برائیوں اور غلط سماجی رجحانات کے خلاف جنگ کی گئی ہے زیر نظر کتاب میں جین مت اور بدھ مت سے آج تک جتنی بھی کوششیں ہوئی ہیں ان سب کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے مہاتما گاندھی کے سوراج کے نقطہ نظر کا سماجی اصلاح پر گہرا اثر پڑا ہے اور پہلی بار سیاسی آزادی کو سماجی اصلاح کا ذریعہ بنایا گیا۔ مصنف صاحب نے مہاتما گاندھی کی تحریک کا بڑی خوبی سے تجزیہ کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب کے اس خیال سے پوری طرح اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ اگر گاندھی جی کی کوششیں نہ ہوتیں تو آج بھی ہمارے ملک میں سماجی درجہ بندی طاقتور ہوتی۔ مصنف کے تجزیہ میں کبھی کبھی ان کی ذاتی پسند اور شخصی رجحانات بھی شامل ہو جاتے ہیں اور اس لئے سماجی اداروں کے تاریخی پس منظر پر نظر نہیں پڑتی۔ سماجی ادارے نہ تو بذات خود اچھے ہوتے ہیں اور نہ برے بلکہ انھیں خاص تاریخی حالات اور ضروریات جنم دیتے ہیں۔ ان میں برائی اس وقت پیدا ہو جاتی ہے جب ان حالات اور ضروریات کے ختم ہو جانے کے بعد بھی یہ زندہ رہتے ہیں۔ ڈاکٹر جعفر حسن کی تنقید کی شدت کبھی کبھی تاریخ سے ناانصافی کے قریب ہو جاتی ہے۔ مثلاً جب وہ ہندوستان کے ذات پات کے طریقے پر تنقید کرتے ہیں تو انھیں ہمارے سماج کی یہ برائی بجا طور پر کھٹکتی ہے۔ لیکن جب وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی درجہ بندی کسی دوسرے سماج میں اتنی شدت کے ساتھ موجود نہیں تو ان کا یہ خیال مبالغہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ سماجی درجہ بندی صرف ہندوستانی سماج کا مخصوص عیب نہیں بلکہ ہر سماج میں پائی جاتی رہی البتہ اس کے طریقے مختلف رہے ہیں۔ امریکہ میں نیگرو اور سفید امریکی لوگوں کے درمیان اختلاف، جنوبی افریقہ میں رنگ دار

باشندوں کے ساتھ امتیازی سلوک اس درجہ بندی کی چند مثالیں ہیں۔ ان ملکوں میں اگر رنگ وجہ اختلاف ہے تو ہمارے سماج میں ذات سماجی علاحدگی کی بنیاد ہے تنقید کے جوش میں ان تاریخی حالات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جنھوں نے ان اداروں کو پیدا کیا ہے۔ دنیا کی تقریباً ہر مہذب قوم ان منزلوں سے گزر چکی ہے ہمارے ملک میں درمیانی دور میں مغلوں نے اور بعد میں انگریزوں نے ہمارے سماج کے بعض ناقص پہلوؤں کی حفاظت کی اور کبھی کبھی ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی رہی۔ جہاں مغلوں نے ہماری تہذیب کو آگے بڑھایا وہیں انھوں نے زندگی کے بعض شعبوں میں قدرتی کے عمل کو روک بھی دیا۔

ڈاکٹر جعفر حسن نے عورتوں کی سماجی پستی کا بڑی خوبی سے تجزیہ کیا ہے، لیکن جہاں وہ جدید عورت پر تنقید کرتے ہیں وہاں ان کا لہجہ غیر ضروری طور پر سخت ہو جاتا ہے۔ نسوانی آزادی کی تحریک نے بعض صورتوں میں گمراہی بھی اختیار کی ہے لیکن بحیثیت مجموعی اس تحریک نے ہماری سماجی آزادی کی بنیادوں کو مضبوط کیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ مصنف زیادہ واقعیت سے کام لیتے اور عالمانہ لہجہ اختیار کرتے۔

مصنف کا طرز تحریر دلچسپ ہے۔ اصطلاحوں کے وضع کرنے میں بھی انھوں نے جدت سے کام لیا ہے۔ اکثر اصطلاحیں ایسی ہیں جو شکل سے ہماری زبان کا جزو بن سکتی ہیں۔ مثلاً انتر (ذات) واریت، انتر جدو فرقہ واریت، نجیت وغیرہ۔ بعض الفاظ کے ترجمے بھی غیر مانوس ہیں اور عربی ہندی الفاظ کا میل بعض جگہ مناسب نظر نہیں آتا مثلاً (Privilege) کے لئے فوق ادھیکار۔ بعض ترکیبیں نسبتاً آسان بھی ہو سکتی ہیں جیسے آبائی قرض کے بجائے سودی قرض عام فہم بھی ہے اور اردو کے مزاج سے ہم آہنگ بھی (Negligence) کے لئے متروکیت اور (Inconceivable) کے لئے ان تصوری شکل ہی سے روا رکھے جا سکتے ہیں۔ بیان میں آسانی پیدا کرنے کی کوشش کے باوجود بھی کبھی کبھی ایسی ترکیبیں نظر آتی ہیں جو نہ صرف مشکل ہیں بلکہ خیال کی بھی وضاحت نہیں کرتیں۔ جیسے "بے فکرانہ غنودگی" کئی بار پڑھنے کے باوجود بھی سمجھنے میں کامیابی نہیں ہوتی کہ اس ترکیب کا اصل مفہوم کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ کوشش یقیناً مبارک باد کے قابل ہے کہ انھوں نے بول چال کی زبان سے بھی اصطلاحیں وضع کی ہیں جیسے ایک بیوی پن کئی بیوی پن، ایک شوہر پن وغیرہ۔

بحیثیت مجموعی یہ کتاب اردو کے علمی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ اردو جاننے والے ڈاکٹر جعفر حسن کی اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے۔

(آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے شکریے کے ساتھ)

بقیہ اردو کانفرنس نہٹور

مشاعرہ میں ضلع کے علاوہ دور دراز سے شعرا حضرات تشریف لائے تھے جنھیں خصوصیات سے پروفیسر واقف امروہوی بسمل شاہجہاں پوری۔ عزیز سلونوی، عزیز بارہ بنکوی۔ بے تک رام پوری۔ گوہر عثمانی مرادآبادی، کوثر امروہوی، افضل پشاوری نظر جعفری، اختر رضوانی جالندھری، رئیس رامپوری، نثار فاروقی، مشیر جھنجھانوی، عشرت کرتپوری، افگن نجیب آبادی سردار جلیل شیرکوٹی، جلال مرادآبادی، شمس افضل گڑھی بیابین خاں شوق، سعادت سیوہاروی، طلعت نہٹوری قابل ذکر ہیں۔ نصف شب کے بعد شدید طوفان باد و باراں آجانے کے باعث یہ یادگار مشاعرہ درہم برہم ہوگیا پھر بھی لگے روز ایک اور مشاعرہ ہوا جس میں حالانکہ بیرونجات کے شعرا کم تھے پھر بھی نہایت کامیاب رہا۔ جلسہ اردو کانفرنس کی کامیابی کا سہرا مشہور شاعر جناب طلعت نہٹوری چودھری لیثوشت سنگھ صاحب رئیس سید اقبال مہدی صاحب رئیس جناب شبیر الحسن صاحب پرنسپل میور ہائر اسکول۔ جناب سید کمال احمد زیدی صاحب اور جناب جلیل احمد کے سر ہے۔

انجمن کی نئی مطبوعات

قومی تہذیب کا مسئلہ

ڈاکٹر سید عابد حسین۔ ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی کی تصنیف ہے جس میں ابتدا سے اس وقت تک کی تہذیب کی ترقی اور اس کی نشوونما پر روشنی ڈالی گئی ہے اور قومی وحدت کو مضبوط بنانے کی تجویزیں پیش کی گئی ہیں۔

(قیمت مجلد چھ روپے)

رسیلے بول

عصمت اللہ کی شاعری اس عمر کی پود کے نام تھی جس کے ہونٹوں پر ابھی ماں کا دودھ خشک نہیں ہوا ہے۔ ہندی شاعری میں انھوں نے گیت کی ریت لیکر ایک نئی ڈگر قائم کی ہے۔ ان کے گیتوں کا یہ انتخاب پہلی بار ہندی رسم الخط میں پیش کرتی ہے۔

(قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے)

اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ

اس موضوع پر اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں ڈاکٹر محمد عزیر صاحب لکچرر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے بڑی تلاش اور تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور ان کے اخلاق کی اشاعت میں اردو زبان کا کتنا حصہ ہے۔

(قیمت پانچ روپیہ آٹھ آنے)

ہندی ادب کی تاریخ

اردو ادب میں ہندی ادب کی پہلی تاریخ ہے جس کو ڈاکٹر محمد حسن ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی لکچرر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے بڑی محنت اور تحقیق سے مرتب کی ہے۔

(قیمت مجلد پانچ روپے)

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

کا

ایک علمی کارنامہ

مسلسل چھ سال کی عرق ریزی محنت اور کثیر رقم خرچ کر کے انجمن نے دس ہزار اردو الفاظ کی ایک اردو ہندی ڈکشنری شائع کی ہے۔ اس ڈکشنری کی ترتیب کا بنیادی خیال یہ تھا کہ اب جبکہ ہندی ہمارے ملک کی سرکاری زبان قرار پا چکی ہے آبادی کے ایسے طبقوں کے لئے جن کی مادری زبان اردو ہے ایک ایسی فرہنگ کی ضرورت ہے جس میں آسانی کے ساتھ تمام اردو لفظوں کے ساتھ تمام اردو لفظوں کے ہندی مترادفات مل سکیں اور ان کو یہ معلوم کرنے میں کوئی دقت نہ ہو کہ کس اردو لفظ کے لئے ہندی زبان کا کون سا لفظ موزوں ہوگا۔ چار سال سے زبان کے بہتر سے بہتر ماہرین کی مدد سے یہ مسودہ تیار کیا گیا ہے۔ اردو ہندی وا اردو لفظوں کا تلفظ رومن رسم الخط میں بھی دیا گیا ہے تاکہ لفظوں کے صحیح تلفظ سے ہندی اور اردو دونوں زبانیں جاننے والے واقف ہو سکیں۔ مجھے امید ہے کہ انجمن کے اس کارنامے کی ملک میں قدر کی جائے گی۔ یہ ڈکشنری نہ صرف طلبا کے لئے بلکہ علمی کام کرنے والوں کے لئے بھی ہر طرح مفید ثابت ہوگی۔

۲۰ روپے میں انجمن ترقی اردو علی گڑھ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

(مہتمم مطبوعات)

پبلشر:- آل احمد سرور   پرنٹر:- نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڑھ